سلام میں آئین سازی کے بنیادی اصول

محمد یوسف گورایہ

گورایہ صاحب کا ایک مضمون ''اسلام میں قانون سازی کے بنیادی اصول،، فروری ۷۲ء کے فکر و نظر میں شائع ہوا تھا ۔ اس مضمون سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلا مضمون دوبارہ پڑھ لیا جائے ۔ (ادارہ)

اسلام میں سب سے پہلا آئین آنحضرت صلعم نے اس وقت دیا جب مکہ سے ھجرت کرکے مدینہ تشریف لائے ۔ یہ آئین سینتالیس دفعات پر مل ہے ۔ ذیل میں اسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے :۔ یہ معاھدہ محمد نبی ی اللہ علیہ وسلم) کی نگرانی میں مندرجہ ذیل طبقات و قبائل کے درمیان پایا :

مہاجر، مسلمانان قریش مکہ اور انصار ، مسلمانان یثرب ، اور ان دونوں ساتھ جو طبقات و گروہ ملحق ھیں یہ سب ایک امت ھیں ۔

مہاجرین قریش ، خود آپس میں اور دوسروں کو دیت یا خون بہا اپنے ف رواج کے مطابق ادا کرنے کے ذمہ دار ھیں ، اھل مدینہ میں بنوعوف حارث ، بنو ساعدہ ، بنو جشم ، بنولنجار ، بنو عمرو بن عوف ، بنو النبیت ، بنو اوس

کےحقوق کا وہی لحاظ ہوگا جو ان میں پہلے سے رائج ہے۔ اس کے مطابق الھیں دیت اور خون بہا لینے اور ادا کرنے کی پابندی کرنا ہوگی۔

مسلمان دیت کی ادائیگی سے فرار کا راستہ نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اگر کوئی مسلمان کسی شخص پر زیادتی کرے یا مسلمانوں میں ظلم و فساد پیدا کرے تو سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسے شخص کو سزا دیں۔ خواہ ایسا شخص ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمان کافر کی طرف داری میں مسلمان کو قتل نہیں کرے گا اور نہ مسلمان کے خلاف کسی کافر کی حمایت کرے گا۔

خدا کا ذمہ سب کے لئے مساوی ہے۔ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہودیوں میں سے جو ہمارے معاہدہ کی پابندی کریں ہماری نصرت اور یاوری ان کے لئے بھی ہے۔ ان کے دشمن کی مدد نہیں کی جائے گی۔ معاہدہ صلح کرنے میں سب مسلمان برابر ہیں۔ لیکن کوئی مسلمان عدل و انصاف کے سوا صلح نہیں کرسکتا۔

غیر مسلموں کا ہر دستہ جو ہمارے ساتھ شریک جہاد ہوگا وہ نوبت بہ نوبت مورچہ پر آئے گا۔

مسلمان کفار سے بدلہ لینے کے لئے جہاد میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

مشرکین مدینہ میں سے جو لوگ معاہدہ میں شریک ہیں ان میں سے کوئی شخص قریش کے جان و مال کو پناہ نہیں دیگا اور نہ ہی مسلمان کے مقابلہ میں انکی مدد کرے گا۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو بغیر شہادت قتل کردیگا تو اس سے قصاص لیا جائے گا ماسوا اس صورت کے کہ مقتول کا وارث دیت لینے پر رضامند ہوجائے۔ تمام مسلمان اس معاہدہ کے پابند ہیں۔ انکے لئے سوائے اسکے چارہ نہیں کہ وہ اسے نافذ کریں۔ جس مسلمان نے اس

، کا اقرار کرلیا اور وہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسکے لئے
ئز نہیں کہ وہ کسی مجرم کی مدد کرے یا اسے پناہ دے ۔ اور جو کوئی
، مدد کرے گا ، اس کو پناہ دیگا اس پر قیامت کے روز اللہ کی لعنت اور
غضب ہوگا ۔ اور قیامت کے روز اس جرم کے عوض اس سے کوئی فدیہ
نہیں کیا جائیگا ۔

مسلمان اپنے باہمی اختلافات میں خدا اور اسکے رسول کی طرف رجوع
، کے پابند ہیں ۔ دوران جنگ یہودی مسلمانوں کے ساتھ اخراجات جنگ
ت کرنے کے پابند ہیں ۔ یہود بنی عوف ، مسلمانوں کے ساتھ وفاق یونٹ
۔ اگرچہ یہود اپنے دین پر قائم رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر ۔ ان
سے جو کوئی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا وہ اپنی ذات اور اپنے گھر بار
قصان کا خود ذمہ دار ہوگا ۔ یہودیوں کے یہ قبائل بنوعوف کی طرح اس
ے کے پابند ہیں : بنو نجار ، بنو حارث ، بنو ساعدہ ، بنو جشم ، بنو اوس ،
علبہ ، بنو جفنہ ، بنو شطیبہ ۔

اس معاہدہ میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے
مستثنی قرار نہیں دیا جائیگا ۔

زخم کا بدلہ لیا جائیگا ۔ جو کسی کو قتل کریگا اس کی ذمہ‌داری خود
پر اور اس کے ورثا پر ہوگی ، بجز مظلوم کے ۔ اللہ تعالیٰ اس معاہدہ پر
ن و خوبی قائم رہنے والے پر نگہبان ہوگا ۔

لشکر کشی کی صورت میں یہود اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور
مان اپنے اخراجات برداشت کرینگے ۔ شرکائے معاہدہ حملہ کی صورت میں
، آور کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۔ وہ آپس میں ایک
ے کی بھلائی اور کھلے دل سے بغیر کسی کوتاہی کے ایک دوسرے
خیر خواہی کریں گے ۔

کوئی شخص اپنے حلیف کے بارے میں مدد کرنے میں کوتاھی نہیں کریگا اور مدد بہر حال مظلوم کے لئے ھوگی۔

یثرب کی حدود کے اندر کا پورا علاقہ اھل معاھدہ کے لئے حرم کی حیثیت رکھتا ھے۔ پڑوسی یا پناہ میں آنے والا خود معاھدے میں شریک ھونے والے کی طرح ھوگا۔ شرکا؁ معاھدہ میں اگر کوئی نیا مسئلہ ھوگا یا کوئی اختلاف ھوگا جس سے فساد کا خطرہ ھو تو اس کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

نہ تو قریش اور نہ انکے حمایتیوں کو پناہ دی جائیگی۔ یثرب پر حملہ آور کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اس آئین کی رو سے آنحضرت صلعم بحیثیت سربراہ مملکت تسلیم کئے گئے ھیں۔ مہاجرین، انصار اور یہود تین بڑے وفاق یونٹوں کی حیثیت سے ریاست مدینہ میں شریک ھیں۔ مستقبل میں شریک ھونے والوں کے لئے گنجائش رکھی گئی ھے۔ وفاقی یونٹوں کو اپنے اپنے دین و مذھب پر قائم رھنے کی مکمل آزادی دی گئی ھے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقات و قبائل کو فوجداری معاملات وغیرہ طے کرنے کے لئے اپنے اپنے متعلقہ قبائلی رواج پر عمل پیرا رھنے کا حق دیا گیا ھے۔ وفاق مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کو انتہائی موثر اور مضبوط انداز میں مرکز کا حق تسلیم کیا گیا ھے۔ بین الطبقاتی و قبائلی معاملات کے تصفیہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلعم کو منصف اعلیٰ کی حیثیت سے مانا گیا ھے۔ تمام دفاعی امور کی سپریم کمان مرکز کو دی گئی ھے۔ وفاقی یونٹوں میں سے کسی ایک پر حملہ سب پر حملہ تصور کیا گیا ھے۔ اور بیرونی خطرات کی صورت میں وفاقی یونٹ ایک دوسرے کی مدد کرنے اور دفاعی ضروریات کو پورا کرنے میں برابر کے ذمہ دار قرار پائے ھیں۔

اس آئین کا پہلا مسودہ کس نے تیار کیا؟ اس پر کب تک بحث جاری

؟ اور بحث میں کس نے سرگرم حصہ لیا ؟ تاریخ نے ان سوالات کی تفصیل
نہیں رکھی ۔ قرآن اور سیرت کی کتب اتنا بتاتی ھیں کہ اس آئین کے
کے وقت ریاست مدینہ مختلف عرب قبائل و طبقات پر مشتمل تھی ۔ ان
دیان و مذاھب جدا جدا تھے ۔ انکی ثقافت و تہذیب میں نمایاں اختلاف
عرب روایات کے مطابق ھر قبیلے اور ھر طبقے کا فرد جمہوریت پسند تھا ۔
ریت قبائلی نظام حیات کی روح تھی ۔ خود مسلمان مختلف قبائل سے تعلق
ے تھے ۔ اور مختلف معاشرت و تہذیب کے پیرو تھے ۔ ان حالات کا تقاضا
کہ ریاست مدینہ کا سب سے پہلا آئین جمہوری تقاضوں کے تحت تیار ھوتا ۔
کا متن اس بات پر شاھد ھے کہ مہاجرین ، انصار اور یہود تینوں وفاقی
ں نے اس آئین کو اپنے حق خود اختیاری کے تحت تسلیم کیا تھا ۔
کے مندرجات سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ یہودیوں کے تین بڑے قبیلے ،
ضیر ، بنو قریظہ اور بنو قینقاع اس آئین کی تحریر تک اس وفاق میں شریک
تھے ۔ اور بعد میں پوری آزادی اور مکمل حق خود ارادی کے تحت اس
شامل ھوئے ۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ھے کہ آنحضرت صلعم
آئین سازی کے وقت ریاست مدینہ کی رائے عامہ کو پوری پوری اھمیت
اور یہ قرین قیاس ھے کہ وفاقی یونٹوں نے اپنے اپنے نمائندوں کے ذریعے
سازی کے مباحث میں پورا پورا حصہ لیا ھوگا ۔ یہی وجہ ھے کہ یہود و
کین نے آنحضرت صلعم کو چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف کی حیثیت سے
م کر لیا ۔ ورنہ وہ لوگ آپ کی رسالت کے قائل نہ تھے ۔ اور نہ ھی حکومت
نہ کے پاس انھیں بالجبر وفاق میں شریک کرنے کا کوئی جواز موجود تھا ۔
کے واقعات نے یہ بات ثابت کردی کہ وفاق میں شریک غیر مسلم یونٹ
ہ فائدہ میں رہے ۔ آئین میں مذھبی آزادی کے تحفظ کے تحت یہودیوں نے
ست مدینہ میں بے جا مذھبی اختلافات کو ہوا دی اور مسلمانوں اور خصوصاً

آنحضرت صلعم کے لئے بے پناہ مشکلات پیدا کیں۔ لیکن بحیثیت آئینی سربراہ مملکت آنحضرت صلعم نے انکی مذہبی آزادی کے آئینی حق کے تحت ان سے کبھی تعرض نہیں کیا۔ آپ نے مذہبی مباحث کا جواب ہمیشہ دلیل و برھان سے دیا۔ لیکن جب بیرونی حملہ کے وقت انھوں نے آئین کے تحت حکومت کی مدد کرنے کی بجائے دشمن کے ساتھ سازش کی اور بعد میں اس درجہ خطرناک ہوگئے کہ ان کی موجودگی سے ریاست کے وجود و بقا کا مسئلہ پیدا ہوگیا تو آنحضرت صلعم آئین کے تحت ریاست کے تحفظ کی خاطر مجبور ہوگئے کہ انھیں اس غداری اور سازش کی سزا دیں۔ مستشرقین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ آپ پر یہود کی جلاوطنی کا الزام لگانے سے پہلے ریاست مدینہ کے اس آئین پر ایک نظر ضرور ڈال لیں۔

آئین[۹] کے نفاذ کے بعد آنحضرت صلعم نے ، سوائے ان امور کے جن میں وحی کا نزول ہوتا ، تمام کے تمام معاملات مکمل جمہوری انداز میں طے کئے ، مدینے کے تمام شہری مختلف مسائل کے حل کے لئے مدینہ کی پارلیمنٹ ، مسجد نبوی میں جمع ہوتے۔ عوام کی شرکت کا یہ عالم تھا کہ منافقین مسائل پر بحث کے دوران اپنے حق اظہار رائے سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے۔ اور باوجود انکی اسلام دشمن سرگرمیوں کے آنحضرت صلعم ہمیشہ انکی رائے کا احترام فرماتے۔ جنگ احد سے پہلے میدان جنگ کے انتخاب میں سرور کائنات اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اس بات پر متفق تھے کہ جنگ مدینہ میں قلعہ بند ہوکر لڑی جائے۔

قرآن نے آئین سازی کے چند بنیادی اصول بیان کئے ہیں :

و شاورھم فی الامر (۳ : ۱۵۸) کاروبار حکومت میں مسلمانوں سے مشورہ کیجئے۔ اس میں پیش آمدہ امور میں عوام سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔

وامرھم شوری بینھم (۴۲ : ۳۸) مسلمانوں کا طرز حکومت یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات باھمی مشورہ سے طے کرتے ھیں، اس میں مسلمانوں کے طریق حکومت میں تمام امور باھمی مشورے سے طے پانے کی تصدیق کی گئی ہے۔ و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ اللہ، رسول اور اپنے بر سر اقتدار لوگوں کی اطاعت کرو۔ پہلی آیت نے سربراہ مملکت کو عوام کی رائے کا پابند کیا ہے ۔ دوسری آیت نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ مسلمانوں کا طریق حکومت جمہوری ھوتا ہے ۔ تیسری آیت اس اصول کی نشاندھی کرتی ہے کہ مسلمانوں کے جمہوری طرز حکومت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کی حکمرانی تسلیم کریں ۔

قرآن نے آئین سازی کے جمہوری اصولوں کے محض بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آمریت اور مطلق العنانی کے سدباب کے لئے تمام ممکنہ عناصر و عوامل کی نشان دھی کی ہے ۔ آنحضرت صلعم اپنی اھلیت ، قابلیت اور مقبولیت ھر اعتبار سے اس مقام پر تھے کہ بغیر کسی آئین کے حکومت کرتے ۔ لیکن ان تمام صلاحیتوں کے باوجود قرآن نے آپ کو آئینی حکومت کے قیام کا حکم دیا ۔ آمریت کے مکمل قلع قمع کے لئے قرآن نے آنحضرت کی بشری حیثیت کو بطور خاص نمایاں کیا ۔ متعدد بار خود آپ کی زبانی اعلان کروایا : قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد (۱۸ : ۱۱۰) آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں تو تم ھی جیسا بشر ھوں ۔ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود برحق ایک ھی معبود ہے ۔ اسی بات کو ایک اور انداز میں ذرا وضاحت سے یوں بیان کیا : وماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم و النبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانین (۳ : ۷۸) کسی بشر کے لئے (شایان) نہیں کہ اللہ اسے کتاب ، حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے غلام بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ اللہ والے بن جاؤ ۔ یہاں رائے عامہ کو پس پشت ڈال کر ذاتی رائے

عوام پر مسلط کرنے کو خدا کی جگہ لینا قرار دیا گیا ہے۔ جب اس بات کی کسی نبی کو اجازت نہیں دی گئی تو مسلمانوں میں سے کسے جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ آمر بن کر مسلمان عوام کو اپنا غلام بنائے۔

بعض امور کے غلط طے پا جانے کی صورت میں خود آنحضرت صلعم نے اپنی حیثیت کا یوں اظہار فرمایا : انتم اعلم بامر دنیاکم : دنیوی امور کو تم لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہو : فانی انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن : میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا میری ذاتی رائے پر مجھے مت پکڑو : انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشئی من رائی فانما انا بشر : میں تو ایک انسان ہی ہوں جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو تمہیں اسے اپنانا ہی ہوگا اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی انسان ہی ہوں۔

قرآن و سنت نے آپ کی نبوی حیثیت الگ بیان کرکے ایک طرف صحابہ کرام کے لئے یہ سہولت پیدا کردی کہ وہ آپ کے ساتھ غیر الہامی امور پر پوری آزادی کے ساتھ بحث میں حصہ لے سکیں اور دوسری طرف اسلام میں آئین سازی کے اس بنیادی اصول کی وضاحت کردی کہ اسلام میں آمریت اور مطلق العنانی کی قطعاً گنجائش نہیں حتی کہ نبی اکرم صلعم غیر الہامی امور میں عوام کی رائے معلوم کرنے کے پابند تھے۔

اسلام میں آئین سازی پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ آیا ایک وقت کے مسلمانوں کا بنایا ہوا آئین آئندہ تمام نسلوں کے لئے واجب التعمیل ہے یا ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے مقتضیات کے مطابق نئے نئے آئین بناتے رہیں گے۔ تغیر و تبدل اور عروج و کمال کا بیان قرآن حکیم کا خاص موضوع ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم (۱۳ : ۱۱) واقعی اللہ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی

حالت کو نہیں بدل دیتے ۔ اس آیت نے اس سوال کو پوری وضاحت کے ساتھ حل کر دیا کہ جو قومیں اپنے زمانے کے مقتضیات کے مطابق اپنے آئین میں مناسب ردوبدل نہیں کرتیں اور اسے حالات حاضرہ کے قالب میں نہیں ڈھالتیں اللہ انکی صلاحیتوں میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا ۔ فاستبقوا الخیرات (۲ : ۱۴۸) خوب سے خوب تر کی طرف سبقت کرو ، قرآن کا ایک بنیادی اصول ہے ۔ تغیر اور ''سبقت الی الخیر،، اس بات کے متقاضی ہیں کہ مختلف زمانوں کی اقوام خیر و فلاح اور ترقی و عروج کے نئے پیمانوں کے مطابق اپنے آئین میں مسلسل مناسب تبدیلیاں لاتی رہیں ۔

ہر زمانے کے مسلمان عوام کو یہ حکم ہے کہ وہ امن و خوف کے زمانے میں خیر و شر یا ترقی و تنزل کی کسی بھی خبر کی اطلاع پائیں تو وہ اسے اپنے بر سر اقتدار نمائندوں تک پہنچادیں ۔ تاکہ وہ اسکے نفع و نقصان کا صحیح اندازہ کرکے اس میں سے مفاد عامہ کے لئے نتائج مستنبط کرسکیں ۔ واذاجا'ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (۴ : ۸۳) اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ھو یا خوف تو اسکو مشہور کر دیتے ھیں اور اگر یہ لوگ اسکو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ھیں انکے حوالے کردیتے تو اسکو وہ حضرات تو پہچان ھی لیتے جو ان میں اسکی تحقیق کرلیا کرتے ۔ ظاھر ہے کہ آج کے عوام جب کسی ایسی بات کی اطلاع پائیں گے : تو یقینا وہ اپنے آج کے نمائندوں تک ھی پہنچا سکتے ھیں ۔ صدیوں پہلے کے لوگوں کو نہ موجودہ حالات درپیش تھے اور نہ موجودہ عوام کے بس کی بات ہے کہ وہ اپنے موجودہ حالات کا حل اس زمانہ کے لوگوں سے پوچھنے جائیں ۔ اس ضمن میں حضرت عمر فاروق کے اس آئینی چارٹر کی ایک دفعہ کا ذکر انتہائی مفید ھوگا جو آپ نے اپنے ایک صوبائی چیف جسٹس حضرت ابو موسیٰ

الاشعری کو ارسال کیا تھا ۔ دفعہ یہ ہے : ولایمنعنک قضاء قضیتہ بالامس فراجعت فیہ نفسک و ھدیت فیہ لرشدک ان ترجع عنہ الی الحق فان الحق قدیم ومراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل : تم کل جو فیصلہ کرچکے ھو اگر آج غور و فکر سے تمھیں اسکے بارے میں حقیقت امر واضح ھوجائے تو پہلے فیصلہ کو ملتوی کرکے حقیقت کی طرف رجوع کرنے میں تمھیں کوئی فیصلہ نہ روکے اسلئے کہ حق قدیم ہے اور حق کی طرف رجوع باطل میں بھٹکتے رھنے سے بہتر ہے ۔ اس سے معلوم ھوا کہ لائحہ عمل مرتب کرتے وقت ، آراء و افکار منظم کرتے وقت اور انفرادی اور اجتماعی پالیسیاں بناتے وقت غلطی کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے ۔ لیکن غلطی کا احساس ھونے پر اسکی تصحیح کرنا انسانی فطرت کا دوسرا تقاضا ہے ۔ یہی اصول اقوام و ملل کے آئین، قوانین اور ضوابط کی ترتیب میں کار فرما ہے ۔

یہ مختصر بحث اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ ایک زمانے کے مسلمانوں کا بنایا ھوا آئین آئندہ نسلوں کے لئے واجب التعمیل نہیں ھوسکتا ۔ اور ھر زمانہ کے مسلمانوں کو اپنے حالات کے مطابق قرآن و سنت کی وسیع تعلیمات میں سے اپنے حسب حال خوب سے خوب تر ھدایت کی کھوج لگانی پڑے گی ۔ قرآن و سنت کی وسیع تعلیمات میں سے اپنے حالات کے مطابق ھدایت اور رھنمائی کی کھوج لگانا اسلام میں تحقیقات کہلاتا ہے ۔ اگر کوئی معاشرہ پسماندہ ہے تو قرآنی تعلیمات میں اس معاشرے کیلئے تعلیمات موجود ھیں ۔ اگر کوئی معاشرہ ترقی یافتہ ہے تو قرآن و سنت کی تعلیمات میں اسکے لئے بھی ھدایت موجود ہے ۔ لیکن معاشرے کو اپنے حالات کے مطابق قرآن و سنت سے ھدایت اخذ کرنا خالصۃً اس معاشرے کے مسلمانوں کا کام ہے ۔ عہد رسالت میں بعض مسلمانوں کی یہ خواھش تھی کہ انھیں خدا کی طرف سے جزئیات حیات پر محیط بنا بنایا ایک مکمل ضابطہ حیات مل جائے۔ وہ اس خواھش کا اظہار مختلف سوالات کی صورت میں کرتے تھے ۔ چونکہ یہ بات فطری اصولوں کے

تھی اسلئے قرآن نے انھیں ایسا کرنے سے منع کردیا : یا ایھا الذین
لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن
م و عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم (٥ : ١٠١)۔ ایمان والو ! ایسی باتیں
پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھاری ناگواری کا سبب بنیں
ر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم پر ظاہر کردی جائیں
ت گذشتہ اللہ نے معاف کردئیے اور اللہ بڑا مغفرت والا بڑا حلم والا ہے۔
پردست تنبیہ کا مقصد یہ تھا کہ مختلف طبقات و ممالک کے معاشرتی
یاسی امور میں مسلسل تغیر و تبدل ہوتا رھتا ہے۔ اسلئے ہر زمانے اور
الت کیلئے ایک ھی وقت میں تمام قوانین دینا محال ہے۔ ایسے امور کو
انے کے مسلمانوں کی قوت اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

انقطاع وحی کے بعد آئین سازی کا کام پوری طرح امت کا فریضہ قرار
، مقاصد اسلام کی جامعیت اور ھمہ گیری اس بات کی متقاضی تھی کہ اسلام
نیادی اصولوں میں ھر زمانے کے حالات کیلئے پنہاں نئی سے نئی اور بہتر
بہتر رھنمائی کی کھوج لگائی جاتی رہے۔ تحقیق و اجتہاد کی قوتوں کو
میں لاکر ھر مشکل کا حل تلاش کیا جائے۔ اسلام میں تحقیقات کے
ف فضا اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ تحقیقات کرنے والے نعوذ باللہ اسلام کو
سمجھتے ھیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تحقیقات اس
، پر مبنی ھیں کہ وہ قیامت تک کے لئے تمام ممالک اور معاشروں
یط ھیں۔ لیکن اتنی کامل و وسیع تعلیمات میں سے اپنے ملک و معاشرے
ے ھدایت حاصل کرنا تعلیمات میں نقص کی بجائے انکی وسعت و جامعیت
ترار کرنا ہے۔ اتنا عظیم کام کسی فرد واحد یا کسی خاص مذھبی جماعت
لیقے کو ھرگز سونپا نہیں جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس عظیم
کی ذمہ داری پوری امت کے سپرد کی ہے۔ خطا و ضلالت سے کوئی فرد یا
عت یا طبقہ محفوظ نہیں۔ البتہ پوری امت ضلالت پر جمع نہیں ھوسکتی۔

اسلام کے اس اصول کی بنیاد پر آئین سازی کا کام پوری امت کا حق تسلیم کیا گیا ہے ۔ اس حدیث کا آخری جملہ اس سلسلے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے ۔ فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم (ابن ماجہ ، فتن ۸) اور جب تم دیکھو کہ اختلاف بنیادی نوعیت کا ہے تو مسئلہ زیر بحث کو رائے عامہ کے سپرد کردو اور عوام کے فیصلے کو قطعی سمجھو ۔ اس حدیث میں سب سے بڑی قابل غور بات یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں معاملے کو کسی ادارے یا طبقہ یا جماعت یا فرد کے سپرد کرنے کا حکم نہیں بلکہ عوام کو معیار صحت قرار دیا گیا ہے ۔ آنحضرت صلعم نے یہ اصول قرآن حکیم کی اس ہدایت سے اخذ فرمایا تھا : ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (۴ : ۱۱۴) اور جو شخص رسول کی مخالفت کریگا اسکے بعد کہ اس پر امر حق ظاہر ہوچکا، اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرے گا تو ہم اسکو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے اور اسکو جہنم میں داخل کرینگے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی ۔

اس آیت میں " اتباع غیر سبیل المؤمنین " کو جہنم میں جانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے ۔ گویا مسلمان عوام جس رائے پر ہوں گے وہ انسانیت کے خلاف نہیں ہوسکتی ۔ اور جو شخص رائے عامہ کو پس پشت ڈالے اور انکی مرضی کے خلاف آمرانہ ذہنیت کے مطابق حکمرانی کرے اسے قرآن نے جہنم کی طرف جانے کی وعید سنائی ہے ۔ آمریت ناکامی ، نامرادی اور تباہی کا راستہ ہے ، جبکہ مسلمان عوام کی رائے کامیابی ، کامرانی اور فلاح و ترقی کی راہ ہے ۔ تاریخ آئین سازی میں ریفرینڈم کے اصول پر عمل اسلام کی ایجاد ہے گو آجکل اس پر عمل کرتے ہوئے مسلمان بھی اسے مغرب کی ایجاد خیال کرتے ہیں ۔

آئین سازی کا حق عوام کو تفویض کرنا قرآن و سنت کے درج ذیل پانچ اصولوں کا خلاصہ ہے :-

۱ ۔ قرآن و اسوۂ رسول صلعم صرف آئینی اور جمہوری طرز حکومت کی
کرتے ہیں ۔

۲ ۔ آنحضرت صلعم کو غیر الہامی امور میں ریاست مدینہ کے شہریوں
ے کا پابند بنایا گیا ہے ۔

۳ ۔ غیر الہامی امور کو طے کرنے میں آنحضرت صلعم نے عملاً
مدینہ کے شہریوں کو شریک مشورہ کیا ۔

۴ ۔ سب سے پہلے آئین کی تشکیل میں آنحضرت نے تمام وفاق یونٹوں
ائندگی دی اور ان کی باہمی رضامندی سے آئین سازی کا کام انجام پایا ۔

۵ ۔ آئین سازی کو ہر زمانے کے مسلمانوں کا حق قرار دیا ۔

ان تعلیمات کی روشنی میں اسلام نے آمریت اور مطلق العنانی کا مکمل
، کردیا ۔ اسلام میں کسی فرد واحد یا کسی مخصوص طبقے کی حکمرانی
. کوئی جواز ہوتا تو اسکے سب سے زیادہ مستحق آنحضرت صلعم تھے ۔
اسلام نے خود نبی آخر الزماں سید الرسل اور خاتم الانبیاء کو آئین و
ریت کا پابند بنا دیا ۔ ایسی صورت میں پوری امت میں کون ہوگا جو
ہ تعلیمات کو پس پشت ڈالکر آمریت کو اپنائیگا ۔ مارشل لاء آمریت
یح ترین صورت ہے اسلئے اسلام سے اسکا جواز نکالنا بیحد مشکل کام ہے ۔

اس وقت یہ مسئلہ درپیش ہے کہ موجودہ عبوری آئین کو مستقل آئین
یسے بدلا جائے ۔ عبوری آئین کے باب دوم دفعہ ۹ ۲ کے تحت اس بات کی
ہ دی گئی ہے کہ قانون سازی قرآن و سنت کی تعلیمات و ضروریات کے
، نہیں ہوگی اور تمام رائج الوقت قوانین قرآن و سنت کے مطابق بنائے
، گے ۔ یہ ضمانت مسلمان عوام کیلئے حوصلہ افزا ہے ۔ لیکن اس دفعہ
ریحی نوٹ مسلمانوں میں مستقل تفرقہ بازی قائم رکھنے کا سبب بن سکتا
اس تشریح کے مطابق ہر فرد قرآن و سنت کی اس تعبیر کو ماننے پر مجبور

ہے جو تعبیر کہ اسکا متعلقہ فرقہ کرے۔ پھر اس تشریح سے خود اصول کی نفی ہوتی ہے۔ اصل اصول کا ایک حصہ یہ ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ جبکہ تشریح کے مطابق اسکا مطلب یہ ہے کہ شخصی قوانین میں ملک کا ہر فرقہ اپنے قدیم فقہاء کی آراء پر عمل پیرا رہے گا۔ اصول کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ رائج الوقت تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق ڈھالے جائیں گے، جبکہ تشریح کے مطابق اسکا مطلب یہ ہے کہ رائج الوقت عائلی قوانین ہر فرقے پر چھوڑ دیئے جائیں گے، تاکہ وہ انہیں اپنی تعبیر کے مطابق ڈھال لے۔ ایسی صورت میں ملکی مجالس قانون ساز اپنے طور پر نہ تو قرآن و سنت کے مطابق کوئی قانون بنا سکیں گی اور نہ موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال سکیں گی۔ مجلس قانون ساز کی خود مختاری کے تحفظ اور مسلمان عوام میں مستقل اتحاد و تنظیم کی خاطر اس تشریحی نوٹ کو حذف کردینا بہتر ہوگا۔

آئین میں اس بات کی وضاحت اور ضمانت ضروری ہے کہ ملک میں ہرقسم کی آئین سازی یا قانون سازی کا واحد ذمے دار ادارہ مجلس آئین و قانون ساز ہے؛ اسکا بنایا ہوا قانون ہی قانون ماناجائیگا۔ ایسے قانون پر اگر کسی حیثیت سے کسی فرد یا جماعت کو اختلاف ہو تو اسکا طریق کار یہ ہو کہ وہ اپنے موقف کی صداقت اور افادیت پر عقلی و فکری دلائل پیش کرے۔ دور جدید کے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لے کر اپنے نقطہ نظر کو عوام تک پہنچائے اور ان کی اکثریت کو اپنے حق میں بدل کر ان کے نمائندے کی حیثیت سے جو قانون چاہے بنائے۔ لیکن عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی صاحب کسی فن میں مہارت کا دعوی کر کے محض مہارت فن کے استحقاق کی بنیاد پر معروف طریق قانون سازی کو پس پشت ڈال دیں اور قانون بن جانے کے بعد اسکی حلت و حرمت پر بحث چھیڑدیں۔ ان دونوں عہدوں میں قانون سازی کا کام اس وقت کے معروف طریق قانون سازی کے مطابق انجام پاتا تھا۔ اختلاف کی صورت میں رائے عامہ کو اپنے حق میں بدلنے کی مکمل

تھی - لیکن وھی رائے قانون کی شکل اختیار کرتی تھی جو جمہور کی رائے
تھی - آنحضرت صلعم اس اصول پر سختی سے کاربند تھے - کئی موقعوں پر
نے اپنے ذاتی اختلاف کے باوجود کثرت رائے پر عمل فرمایا - جنگ احد کے
پر آپکی رائے تھی کہ جنگ مدینہ میں قلعہ بند ھوکر لڑی جائے لیکن
یت کی رائے باھر نکل کر لڑنے کے حق میں تھی چنانچہ اسی کے مطابق
ملہ ھوا - جنگ خندق کے موقع پر آپ چاھتے تھے کہ کھجوروں کی پیداوار
ہ حصہ بعض عرب قبائل کو دیکر انھیں لشکر قریش سے کاٹ لیا جائے
نصار نے اسکی مخالفت کی اور آپ نے اپنی تجویز واپس لے لی -

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رض مرتدین اور مانعین زکواۃ کے خلاف فوجی
ستعمال کرنا چاھتے تھے - بشمول حضرت عمر مدینے کی اکثریت اسکے حق
ہ تھی - لیکن خلیفہ راشد نے اپنی رائے پر اسوقت تک عمل نہیں کیا
ک کہ قوی دلائل سے مخالفین کو قائل نہ کرلیا - حضرت عمر نے جمع و
قرآن کی رائے پیش کی - خلیفہ وقت حضرت ابوبکر اسکے حق میں نہ
کافی بحث کے بعد حضرت ابوبکر کو اپنے مخالفین کے دلائل کے مقابلے
اپنا موقف بدلنا پڑا اور جمع و تدوین قرآن کا فیصلہ ھوا - سواد عراق کی
ر امرائے فوج اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے درمیان اختلاف پیدا
یا - امرائے فوج زمین تقسیم کرنا چاھتے تھے ، جبکہ امیرالمومنین اسے
، کنٹرول میں لینا چاھتے تھے ، مہاجرین و انصار کے کبھی جدا جدا اور
، ایک ساتھ اجلاس بلائے گئے - عوام و خواص سب نے اس میں بھرپور حصہ
کئی روز تک بحث جاری رھی - حضرت عمر کے دلائل اتنے قوی تھے
مخالفین سے انکا جواب نہ بن پڑا اور آخر کار کثرت رائے سے زمین کو اسٹیٹ
ل میں لینے کا قانون نافذ ھوگیا - یہ چند مثالیں اس بات کے ثبوت میں پیش
ئیں کہ اسلام میں شخصیت پرستی کی بجائے اصول پرستی آئین و قانون
، کی بنیاد ہے - کوئی شخص کسی فن میں کتنا بڑا ماھر کیوں نہ ھو

جب تک وہ اپنی بات مدلل طور پہ پیش کرکے رائے عامہ کو اپنا ہم خیال نہیں بنا لیتا اس کی رائے قانونی شکل اختیار نہیں کر سکتی ۔ کسی ملک کا آئین و قانون کسی فرد یا جماعت یا طبقے کی اجارہ داری نہیں ہوتا اسکا تعلق چونکہ براہ راست عوام سے ہوتا ہے اور وہی اسکی مضرت رسانی یا نفع بخشی سے متاثر ہوتے ہیں اسلئے انہیں قائل کئے بغیر قانون سازی کرنا قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہے ۔ اور جو افراد اپنے موقف کو مدلل طور پر پیش کرکے رائے عامہ کو اپنے حق میں تبدیل کرنے کی قوت سے عاری ہونے کے باوجود چاہتے ہیں کہ قانون سازی ان کی مرضی کے مطابق ہو وہ دراصل شخصیت پرستی کے رسیا ہیں ۔ حالانکہ اسلام میں شخصیت پرستی بدترین قسم کا شرک ہے ۔

ہمارا ملک اس وقت دوہری آئین سازی اور قانون سازی کے مرض میں مبتلا ہے ۔ ایک طرف قومی و صوبائی مجالس قانون ساز یہ کام انجام دے رہی ہیں ۔ اور دوسری طرف ''علمائی مجالس قانون ساز'' اس کام میں مصروف ہیں ۔ قومی ا صوبائی اسمبلیاں عوامی نمائندگی کے اصول پر عمل پیرا ہیں ۔ جب کہ علمائی اسمبلیاں الہی نمائندگی کے اصول پر مصروف کار ہیں ۔ دونوں مجالس قانون ساز اپنے اپنے دائرہ کار میں خود مختار ہیں ۔ اول الذکر اپنے آئین و قوانین کے خلاف عمل کو غداری گردانتی ہے ۔ مؤخرالذکر اول الذکر کے بعض قوانین پر عمل کو اللہ سے غداری جانتی ہے ۔ پاکستانی عوام کے حوصلے او قوت برداشت کی داد دیجئے کہ وہ اب تک قومی و علمائی مجالس قانون ساز کی دوہری قانون سازی کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہیں ۔ لیکن ساتھ ہی ذہنی انتشار کا شکار بھی ہیں ۔ یہ بات انکی سمجھ سے بالا ہے کہ ایک خدا ایک قرآن اور ایک رسول کے ماننے والی قوم دوہری قانون سازی کے مرض میں کیسے مبتلا ہوگئی ؟ عہد رسالت اور عہد ابوبکر و عمر میں دوہری قانون سازی کا تصور ناپید تھا ۔ آئین سازی کے اس دور میں ہمارے آئین

ن نے اگر اس تباہ کن صورت حال کی طرف فوری توجہ نہ دی اور اسکا
ئی موثر حل تلاش نہ کیا تو یقین جانئیے عوام اب دوھری قانون سازی کے
دوھری وفاداری دیر تک نباہ نہیں سکیں گے - اور اگر اس سے نجات پانے
ے عوام خود ھی کسی راہ پر چل نکلے تو انہیں انتشار پھیلانے اور بغاوت
نے کا مورد الزام نہ ٹھہرایا جائے - اس سلسلے میں ھم چند تجاویز پیش
تے ھیں :

۱ - آئین میں کسی دفعہ کے تحت ملک میں دوھری آئین و قانون
ہ فوری طور پر ختم کرکے نظام قانون سازی میں وحدت پیدا کی جائے -

۲ - ملک کی تقریبا تمام مذھبی اور سیاسی جماعتیں قومی و صوبائی
ں قانون ساز کو آئینی طور پر تسلیم کرچکی ھیں ، اس اعتراف کے پیش
انھوں نے انتخابات میں حصہ لیا - اور اس اعتراف کی وجہ سے وہ مجالس
ہ ساز کے منتخب نمائندوں پر جلسوں، جلوسوں، اخبارات اور دوسرے ابلاغ
کے ذرائع سے مسلسل اثرانداز ھونیکی کوشش کرتی ھیں کہ قانون سازی میں
موقف کو پیش نظر رکھا جائے - ایسی صورت میں کونسی چیز مانع ہے کہ
میں یہ دفعہ وضاحت کے ساتھ نہ رکھدی جائے کہ متفقہ قومی و صوبائی
قانون ساز کے علاوہ قانون سازی کا ھر نظام ختم کیا جاتا ہے -

۳ - عوام کو دور جدید میں قومی و صوبائی مجالس قانون ساز کی آئینی اور
ہ حیثیت، ضرورت اور اھمیت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی
یں - اور دوھری قانون سازی کے نقصانات اور اس کے ھولناک نتائج سے انھیں
اس کرایا جائے -

۴ - اس فکر کو عام کیا جائے کہ بیسویں صدی عیسوی کے آخری
ے میں قانون سازی بہر حال کسی نظم اور اجتماعی نظام کے تحت ھی

عمل میں آئے گی ۔ انفرادی ، جماعتی اور طبقاتی انداز میں قانون سازی کا ز
گزر چکا ۔

۵ ۔ ملک کا کوئی فرد یا جماعت یا طبقہ جو اپنے آپ کو آئین ۔
یا قانون سازی کا سب سے زیادہ اہل سمجھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ مسـ
محنت و مشقت اور جدوجہد سے عوام کو اپنا ہم خیال بنائے ۔ انتخاب کے ذ
منتخب ہوکر انکی نمائندگی کرے ۔ اپنی قابلیت اور عوامی نمائندگی کی دو
قوت سے جس قسم کی چاہے قانون سازی کرے ۔

۶ ۔ جمہوریت کے اس دور میں اگر کوئی شخص یا جماعت یا طبقہ
ذرائع نشر و اشاعت کی جدید سہولتوں کی فراوانی کے باوصف اپنے موقف کو
رائے عامہ میں بدلنے سے قاصر ہے تو اسے ملکی آئین یا قانون سازی میں کسی
ذاتی استحقاق کی توقع نہیں رکھنی چاہئے ۔ اور اس امید میں آئین سازی کے
کام میں حائل ہونے کی بجائے خود اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لینا چاہئے اور
انہیں دور کرکے آئندہ انتخابات کے لئے تیار ہونا چاہئے ۔

۷ ۔ اپنا موقف عام کرنے کی مکمل آزادی کے باوجود اگر کوئی صاحب
اپنی کسی ذاتی نااہلیت کی بنا پر نہ تو جمہوری انداز میں اپنی رائے کو رائے عامہ
میں بدلتے ہیں اور نہ ہی انتخابات کے وقت ان میں حصہ لیتے ہیں ، لیکن
منتخب نمائندوں پر تخریبی تنقید کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں ، ایسے افراد کے
ساتھ خود عوام اپنی وفاداری کے بارے میں نظرثانی کریں ۔ وہ سوچیں کہ یہ
حضرات ہر وقت اپنی قابلیت اور اہلیت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں لیکن اپنے
آپ کو انتخابات کے لئے پیش نہیں کرتے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو معاشرے کی کمزوریوں
سے فائدہ اٹھا کر اپنا روایتی مقام بنائے ہوئے ہیں ۔ لیکن اپنی کمزوریوں
سے پوری طرح آگاہ ہونے کی وجہ سے انتخابات میں اپنا پول عوام کے سامنے کھولنا
پسند نہیں کرتے ۔ اسلئے عوام کو چاہئے کہ وہ انہیں انتخابات میں حصہ

مجبور کریں یا ان سے درخواست کریں کہ وہ انھیں انتشار ذہنی میں
کرنا چھوڑ دیں ۔

۸ ۔ عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے نظام قانون سازی کو
یا جائے تاکہ عوام کو معلوم ہو سکے کہ خود آنحضرت صلعم غیر الہامی
ں اپنی رائے کو رائے عامہ میں بدلنے پر مجبور تھے ۔ اور اگر آپ دوسروں
ل میں زیادہ وزن دیکھتے تو خود انکے ساتھ ہوجاتے ۔ اگر نبی آخرالزماں
فائے راشدین اپنی رائے کو عوام سے منوائے بغیر قانون نہیں بناتے تھے ۔
کے بعد یہ حق کسے پہنچتا ہے کہ وہ محض ذاتی استحقاق کی بنا پر گھر
بنھائے آئین سازی اور قانون سازی کو اپنے حق میں تبدیل کرنے کے
دیکھے ۔ کیا ہم عوامی حکومت سے یہ امید کرسکتے ہیں کہ وہ عوام
وھری قانون سازی سے نجات دلائے اور قانون سازی کے نظام میں وحدت
کرکے عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کی سنت پر عمل کرنے کا موقع
کرے ۔

۹۹۹۹